مذاکرہ

سید مودودی اور جماعت کا کردار

ہم نے ملک کی معروف شخصیتوں کو 'پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ اور جماعت اسلامی کے فکری اور عملی کردار' پر اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ جو جواب موصول ہوئے' وہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ تاخیر سے موصول ہونے والے جوابات آیندہ کسی شمارے میں پیش کیے جائیں گے۔ (مدیر)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

سابق چیئرمین' بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ

تحریکِ اسلامی کا دائرۂ کار صرف اپنے ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ساری اسلامی دنیا پر محیط ہے۔ دنیا میں کوئی مسلمان ملک ایسا نہیں جہاں اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے لیے تحریک نہ چل رہی ہو۔ اور جہاں بھی یہ تحریک اپنا وجود رکھتی ہے' اس کی سوچوں کے دھاروں کو 'جماعت اسلامی' کا لٹریچر فکر مہیا کر رہا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی بلاشک و شبہ نابغہ روزگار تھے۔ قدرت نے انھیں ایک مفکرانہ اور مجتہدانہ ذہن سے نوازا تھا اور انھیں جہاد بالقلم کی بے پناہ قوت عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے قرآن حکیم اور حدیث شریف کے گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور یورپ سے برآمد ہونے والے فلسفوں اور نظریوں کا بھی دقت نظر سے مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ اور پھر نہایت منطقی اور مدلل انداز میں اسلامی نظریہ و نظامِ حیات کو اجاگر کیا۔ اور ثابت کیا کہ اسلامی نظریہ یورپ کے نظریات -- سرمایہ داری' اشتراکیت' قومیت' نسیت' انسانیت وغیرہ -- کی افراط و تفریط اور تناقضات سے پاک ہے اور پورے کرۂ ارض اور بنی نوع انسان کے لیے سلامتی کا ضامن ہے۔ سید صاحب کے پاس الفاظ' دلائل' معلومات اور اسلامی افکار و اقدار کا ایک سمندر تھا جو ان کے قلم اور 'جماعت اسلامی' کے ذریعے

صفحات پر منتقل ہوتا رہا اور صفحات سے انسانی قلوب و صدور میں جاگزیں ہوتا رہا۔

یہ لٹریچر ہر اس زبان میں موجود ہے جو مسلمان ملکوں میں سمجھی 'بولی اور پڑھی جاتی ہے۔ اس لٹریچر کی گرفت کے اثرات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ بیسویں صدی کے نامور اور سرکردہ مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریریں تحریک اسلامی کے لٹریچر کی روح ہیں۔ ان تحریروں میں سادگی کے علاوہ بے پناہ دلائل کی قوت ہے جو قارئین اور کارکنان کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ پوری اسلامی دنیا کی اسلامی تحریکیں انھیں اپنا رہبر مانتی ہیں۔ ہم جیسے کیسے بھی ہیں 'اسلامی دنیا پاکستان کو ہی اپنا پیش رو تصور کرتی ہے اور اسلام کی فکری قیادت پاکستان کے ہی حصہ میں آتی ہے۔

تحریک اسلامی کا محور و ہدف اصل یعنی قرآن و سنت کی جانب لوٹنا ہے۔ یہی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور انھی سے اسلام کا متحرک عمل آغاز پاتا ہے۔ انھیں کسی طور بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مقام افسوس ہے کہ اس فکر کو ہمارے ملک میں لسانی 'نسلی اور صوبائی عصبیتوں کے ذریعے فعال بننے نہیں دیا گیا۔ اس لیے ہمارا پورا معاشرہ برادری ازم 'علاقہ ازم یا فرقہ پرستی میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انھی کی وجہ سے قوم کسی نصب العین کی طرف رخ نہیں کر رہی۔

قرآن و سنت پر مبنی اسلامی دعوتِ فکر کی جہتیں مختلف ہیں۔ پہلی: فکری اور نظریاتی دعوت 'دوسری: اخلاقی اصلاح اور تنظیم 'تیسری: معاشرہ کی اخلاقی بنیادوں پر تشکیل جدید 'چوتھی: سیاسی نظام کی اصلاح اور نئی قیادت کو ابھارنے کی بھرپور کوششیں --- پہلی تین جہتیں جس قدر کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں اتنی ہی چوتھی جہت توانائی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور صالح سیاست کی طرح ڈالی جا چکی ہے۔

تحریکِ اسلامی کی وجہ سے اسلامی دنیا مختلف چیلنجوں کا مقابلہ کر رہی ہے جس میں جذبے کی سچائی اور پُرعزم ولولے کی چھاپ صاف دکھائی دے رہی ہے۔ خدا کرے تحریکِ اسلامی کے باعث اسلامی دنیا میں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ اتحاد 'تنظیم اور یکجہتی پیدا ہو جائے 'وہ اپنا آپ تلاش کرے اور دین و دنیا میں سربلند ہو کر پورے کرۂ ارض کے لیے ایک دفعہ پھر مشعلِ راہ بن سکے۔

جو ہو جائے جہدِ مسلسل سے واقف
وہی زندگی ہے فقط جاودانہ

بُشریٰ رحمٰن

مدیرہ 'وطن دوست' لاہور

اقبال نے ایک بار کہا تھا

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

یہ بات انھوں نے دراصل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد--- ملی فکر و سوچ کے دروازے بند ہو جانے کے خوف سے کہی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد مسلمانوں کے اہل دانش اور بارسوخ طبقات دین سے بے بہرہ ہوتے گئے اور دیندار طبقہ مالی وسائل سے محروم ہوتا گیا۔ غیر مسلموں نے ایک سازش کے تحت مقتدر طبقات اور دیندار طبقات کے درمیان معنوی بُعد پیدا کر دیا۔ جو ہماری اجتماعی تنزلی کا باعث بھی بنا۔ علامہ اقبال نے ہی Power اور Vision کی شراکت کا فلسفہ بھی دیا کیونکہ اہل اقتدار بصیرت سے بے بہرہ ہوتے گئے اور اہلِ بصیرت کو اقتدار کے دائرے سے باہر رکھا جانے لگا۔ اس بات کا مداوا عہدِ حاضر کی جس عالی مرتبت شخصیت نے کیا وہ بلاشبہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔

معاشرے کے بااثر طبقات اور متلاشیانِ حق ان کی صدا پر کشاں کشاں ان کی طرف کھنچے چلے آئے اور وہ طبقاتی بعد جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی ملی زندگی کو "اغیار" کی سازش کے تحت قالب بے روح بنا ڈالا تھا، اس کے اندر حیاتِ نو کی حرارت بھڑک اٹھی اور پھر وہ جسدِ ملی قوت کا مظہر بن کر ابھرا۔

آج جبکہ الیکٹرانک میڈیا کے مختلف ذرائع ساری دنیا کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، لکھے ہوئے لفظ کی حرمت اپنی جگہ قائم ہے اور اگر اس لفظ میں کسی صاحب نظر، اور صاحب کمال ہستی کی شبوں کا گداز اور دنوں کا سوز بھی شامل ہو جائے تو اس لفظ یا اس تحریر کی تکریم اور اثر آفرینی آنے والی صدیوں پر بھی محیط ہو جاتی ہے۔

مولانا مودودی کی تحریر کا اعجاز یہ ہے کہ ایک قاری چند سطور پڑھتے ہی اسلام کی عظمت پر سر دھننے لگتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ قول و فعل کے تمام رموز سے آشنا ہو کر دین کو حکمت و دانائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ قاری ایک سوال کو ذہن میں لے کر ان کی تحریر کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے از خود سیکڑوں، دوسرے، ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے جواب ملتے جاتے ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ابلاغ دین متین کے تحریری و تقریری اسباق میں ان کا اسلوب مثالی اور اجتہادی ہے۔ ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں کو ان کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ غالباً ایک بار بروہی صاحب نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ "مولانا مودودی بڑے پائے کے ادیب بھی ہیں"۔ اگر عالم دین اور خطیب، ادیب بھی ہو تو یہ ایک طرفہ خوبی ہے، اس لیے کہ وہ انسانی نفسیات سے قریب تر گتھیاں سلجھانے کے اہل ہوتا ہے، جو بعض اوقات عقل و خرد کی کجیوں اور کینے والی تنگ راہوں میں اٹک جاتی ہیں۔ یہ نکتہ نئی نسل کے لیے بڑا پرکشش ہے کہ اسے جرات سوال پیدا ہوتی ہے۔ جہاں جسارت سوال نہ ہو وہاں تجسس کی تمنا مرجاتی ہے۔ جستجو اجتہاد کا باب اول ہے۔ عالم اسلام پر مولانا کے بہت سے احسانات ہیں۔ انھوں نے دو بڑے طبقات کو قریب تر کیا یعنی Power اور Vision کو ایک ساتھ راہ نمائی مہیا کی

اور ساتھ ساتھ چلنے کا قرینہ عطا کیا--- ورنہ تو علامہ والی بات ہی رہتی کہ---

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

خدائے پاک یہ مرتبہ جس مفسر قرآن کو دیتا ہے، اسے حضرت مولانا مودودی کی طرح اپنے عہد کا کامل مزاج داں بھی بنا دیتا ہے۔ ان کی عظمتِ فکر، فرقہ بندی، گروہ سازی اور اختلاف مسالک سے بہت بلند تھی۔ تبلیغ دین میں یہ ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔

جنرل (ر) خالد محمود عارف

زندگی کی دوڑ روز اول سے شروع ہوئی اور اس وقت تک جاری رہے گی جب صور پھونک دیا جائے گا اور یہ کائنات، بجز اپنے خالق کے، تباہ ہو جائے گی۔ اس طویل سفر میں حصہ لینے والے اکثر و بیشتر انسان دار الفنا سے کوچ کرتے وقت چپ چاپ موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور ان کے نام و نشان مٹ جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس دنیا کو خیرباد کہنے سے پہلے اپنے قدموں کے نقوش پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، جنھیں وقت کی آندھی مٹا نہیں پاتی۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کا نام ان کی کام کے حوالے سے زندہ رہے گا۔ مودودی صاحب کے انداز فکر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کے کردار اور ان کی گراں قدر خدمات پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ یہ ان کی عظمت کی نشانی ہے۔ انھیں مذہبی معاملات پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اس موضوع پر وہ جو کچھ رقم کر گئے ہیں اور جس احسن طریقہ سے انھوں نے اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کی ترجمانی کی ہے، وہ انھی کا کمال ہے۔ یہ صدقہ جاریہ آنے والی نسلوں کو ان کی یاد دلاتا رہے گا۔

ڈاکٹر رفیق احمد

ڈائرکٹر ساؤتھ ایشیا اسٹڈی سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

جہاں تک اسلامی نشاۃ ثانیہ کا تعلق ہے، اس کی ابتدا گزشتہ صدی میں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی جمال الدین افغانی تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی فکری تطہیر کا کام کیا، پھر ان کے شاگرد اس میدان میں کام کرتے رہے۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی اس تحریک میں علامہ اقبال کا کردار بھی بہت نمایاں ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی خدمات کے دو پہلو ہیں: فکری اور عملی۔ ان کا فکری سرمایہ، ان کا لٹریچر ہے جو دنیا کے سامنے ہے۔ عملی لحاظ سے ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی ہے۔ میرے خیال میں

مولانا کو جماعت اسلامی کے حوالے ہی سے دیکھنا' ان کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ یہ حوالہ انھیں محدود کر دیتا ہے' جب کہ وہ دنیائے اسلام کے بے مثال راہ نما ہیں۔ مولانا' مسلمانوں کا فکری سرمایہ ہیں۔ انھیں فقط جماعت تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔

اسلامی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں مولانا کا فکری کردار ان کا پیش کردہ اسلامی نظام حیات کا جامع تصور ہے جو مادی اور روحانی پہلوؤں کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک بنیادی اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہ کر مسائل کو جدید تقاضوں کے مطابق حل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح وہ جدید زمانے کے ایک فقیہہ نظر آتے ہیں۔ ان کی فکر کا دوسرا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ صاحبان اقتدار صالح ہوں اور قرآن و سنت کے پیرو ہوں۔ مولانا نے اصحاب اقتدار کے حوالے سے جو علمی مباحث پیش کیے ہیں' وہ ان کے افکار کا بہت نمایاں پہلو ہے۔

مولانا کے نزدیک جب تک اسلامی قیادت صالح افراد کے ہاتھ میں نہیں آتی اس وقت تک اسلامی انقلاب اور اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوسکتا۔

مولانا مودودی کی فکر' مختلف اسلامی ممالک میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا کی فکر کے جن مرکزی نکات کا میں نے ذکر کیا ہے' انھی مرکزی نکات کی روشنی میں' مولانا کے پیروکاروں نے مسلم ممالک میں' ان تحریکوں کی حمایت کی ہے' جو اسلامی انقلاب کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان جماعتوں کو مغرب نے بنیاد پرست قرار دیا ہے لیکن مغرب کا بنیاد پرستی کا تصور غلط مفروضات پر قائم ہے۔ اس کا امکان ہے کہ جب مسلم ممالک میں صحیح جمہوریتیں قائم ہوں گی اور صحیح قسم کی قیادت منتخب ہوگی' تو مغرب کے یہ خدشات دور ہوجائیں گے۔

مولانا مودودی نے ملت اسلامیہ پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ قرآن مجید کی ایک انتہائی معلومات افزا اور مستند تفسیر' تفہیم القرآن' کی شکل میں تحریر کی۔ یہ تفسیر' قرآن کے سماجی' تاریخی اور نظریاتی پہلوؤں کو بڑی سلیس زبان میں اور بڑے مدلل طریقے سے واضح کرتی ہے۔

موجودہ زمانہ معاشیات کا زمانہ ہے' اس حوالے سے دنیا' سوشلزم اور سرمایہ داری کے نظاموں میں منقسم رہی ہے۔ اگرچہ روس کی شکست و ریخت کے بعد سوشلزم ظاہری طور پر کمزور ہوچکا ہے لیکن جب تک غربت اور معاشی ناہمواریاں' دنیا کے تین چوتھائی غریب ممالک پر چھائی رہیں گی اس وقت تک سوشلزم کے دوبارہ ابھرنے کا خدشہ موجود ہے۔ مولانا نے سرمایہ داری اور سوشلزم کے حوالے سے پرمغز تحریریں لکھی ہیں اور عام فہم انداز میں لوگوں کو سمجھایا ہے کہ انسانوں کی مادی اور روحانی ضروریات صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کے اندر رہ کر ہی پوری ہوسکتی ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے یہاں کے اسلامی افکار پر علامہ اقبال کے بعد مولانا کے خیالات کی

گہری چھاپ پائی جاتی ہے۔ اگرچہ سیاسی طور پر جماعت اسلامی سے لوگوں کو اختلافات ہیں لیکن دو باتوں میں مولانا کے فکری کردار کو تسلیم کرنا پڑے گا:

اول یہ کہ وہ پاکستان میں سیکولرازم کے فروغ کے راستے میں ایک بہت بڑی دیوار ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا ہے۔ البتہ یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ بہت سے نوجوان ان کی تجویز کردہ اخلاقی حدود سے باہر رہ کر کام کرتے ہیں۔ بعض نوجوان طلبہ جو مولانا کی فکر سے اثرپذیری کا دعویٰ کرتے ہیں' بعض اوقات ایسے افعال کا ارتکاب کرگزرتے ہیں جو سیاسی طور پر ناپسند کیے جاتے ہیں' لیکن جہاں تک اسلام کے حوالے سے فکری نکھار کا تعلق ہے' مولانا کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آخری بات یہ کہ مولانا کے فکری کردار سے یہ سبق ملتا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق مسلمان مفکرین کو اسلامی نظام حیات قائم کرنے کے لیے عملی تجاویز پیش کرنی چاہییں۔ دوسرے لفظوں میں فکر مودودی کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودی کے افکار کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے' بلکہ انھوں نے جو بصیرت دی ہے اس کی روشنی میں بدلتے ہوئے معاشی' سماجی اور سیاسی حالات کو حل کرنا چاہیے۔ مولانا کو محض جماعت اسلامی کے مفکر کی حیثیت سے پیش کرنا یا سمجھنا' ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ وہ ساری ملت اسلامیہ کے ایسے مفکر ہیں جو بیک وقت بنیادی اسلامی اصولوں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں اور کئی معاملات میں روشن خیال بھی ہیں۔ مثلاً جہاں وہ حلال طریقوں کی بنیاد پر قائم شدہ انفرادی ملکیت کو جائز سمجھتے ہیں وہاں وہ ناجائز طریقوں سے حاصل کردہ زمینوں کی ملکیت کو بھی غلط سمجھتے ہیں اور انھوں نے یہ بات پورے زور کے ساتھ تحریر کی ہے کہ اگر کوئی زمین تین سال تک زیر کاشت نہ لائی جائے تو اسے ان لوگوں کے حوالے کر دینا چاہیے جو اسے کاشت کرسکیں۔

مجیب الرحمٰن شامی

مدیر ہفت روزہ زندگی' لاہور

آج کے پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کا کردار اتنا اہم ہے کہ اس کا ذکر ان کے بغیر مکمل کرنا تو کجا شروع بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا حصہ فکری اور عملی دونوں لحاظ سے نمایاں ہے۔

ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں' وہ (اسلامی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے) سید مودودی کا عہد ہے۔ ان کے تصورات اور نظریات سے عبارت ہے۔ اسلام کی جو تعبیر انھوں نے کی' اس وقت وہی غالب ہے۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی اسلامی تحریکوں نے اس کی مہیا کردہ بنیاد پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا

ہے' اور اسی کے حوالے سے اپنی منزل کا تعین کیا ہے۔

مولانا مودودی نے اسلام کو ایک مکمل نظام کے طور پر پیش کیا' اور اسے غالب کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد پر زور دیا۔ اس تصور ہی نے اسلامی تنظیمات کو جنم دیا ہے' اور آج ہر مسلمان ملک میں اسی کی بدولت معرکہ برپا ہے۔

مولانا مرحوم نے اسلام کو ایک انفرادی معاملہ قرار دینے والوں کو سختی سے رد کیا۔ عبادات کو مقصود قرار دینے والوں سے بھی ٹکرائے' اور ریاستی امور سے اس کو لاتعلق رکھنے والوں کے خلاف بھی علم بلند رکھا۔ یہ ان ہی کی کوشش اور کاوش کا نتیجہ ہے کہ اب اسلام کو ایک نظام کے حوالے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ اختلاف کرنے والے' اور ان کی تعبیر کو رد کرنے والے بھی موجود ہیں' لیکن مسلمان ممالک کے اندر بھی اور غیر مسلم معاشروں میں بھی ان کے خوشہ چینوں کی تعداد زیادہ ہی نہیں بہت زیادہ ہے۔ ان کے بہت سے ناقد بھی ان ہی کی اصطلاحات میں بات کرتے' اور ان ہی کے اہداف کو اپناتے ہیں' ان کے علم کلام میں ڈھل کر راستہ تلاش کر پاتے ہیں۔

مولانا مودودی نے آئینی اور قانونی ذرائع کو اپنانے پر بہت زور دیا ہے۔ جماعت اسلامی چونکہ ان کے ہاتھوں قائم ہوئی' اور پاکستان میں براہ راست ان کی امارت اور امامت میں پروان چڑھی' اس لیے اسے ان کے تصورات کی بولتی تصویر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا عملی کردار' ان کی فکر ہی نہیں' ان کی شخصیت کا بھی آئینہ دار ہے۔ پاکستان کے معروضی حالات میں انھوں نے دستور اور قانون کے دائرے کے اندر رہنے پر زور دیا--- اور انتہائی سختی کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے۔ ان کا انقلاب یہاں پارلیمانی سیاست کے سانچے میں ڈھل گیا' اور انتخابی عمل ہی کو انقلابی عمل کا متبادل قرار دے لیا گیا۔

اس حکمت عملی کو تمام اسلامی تحریکات نے حرف بہ حرف نہیں اپنایا کہ ہر معاشرے اور ہر دور کے اپنے معروضی حالات ہوتے ہیں' ان کے اندر رہ کر ہی راستہ تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ گھنے جنگل میں پھنس جانے والے کی جدوجہد پہاڑوں میں راستہ بھول جانے والے سے مختلف ہوگی۔ میدانی علاقے کا رہنے والا صحرا میں اذان دینے والے سے مختلف اسلوب رکھے گا۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں مختلف حکمت عملی اپنانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

اس طرح جماعت اسلامی کے انداز اور طریق کار میں تبدیلی کے امکانات بھی طلوع ہوتے ہیں' اور مختلف معاشروں میں برپا تحریکات کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ان کے اختلاف کو تضاد قرار دے کر تنقید کرنے کے بجائے اجتہادی دائرے کی وسعت پر اطمینان بلکہ مسرت کا اظہار کیا جانا چاہیے۔

مولانا مودودی کو روشنی کا ایک ایسا مینار قرار دیا جاسکتا ہے جس سے آج کی نئی اسلامی تحریکات

روشنی حاصل کرتی ہیں --- یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ روشنی ٹیوب لائٹ میں ہو یا قمقمے میں یا تیل لیمپ میں' ہوتی روشنی ہی ہے۔ اسے کسی خاص ہیئت کا پابند نہیں کیا جاسکتا' ہاں ضرورت اور حالات کے مطابق پیکر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

فقیر محمد بلوچ

سابق چیف سیکرٹری بلوچستان

سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی پوری زندگی اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ رات دن اسی کوشش میں منہمک تھے' کہ کس طرح سے صحیح معنوں میں احیاے اسلام کے ہمہ گیر پیغام کو پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص متعارف کرایا جائے۔ اس ضمن میں مولانا نے تفہیم القرآن کے نام سے چھ جلدوں میں قرآن مجید کی سلیس اردو زبان میں تفسیر لکھی۔ یہ رب العالمین کے پیغام کو انسانوں میں پھیلانے کے لیے' مولانا موصوف کا پہلا قدم تھا۔ میں یہ بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ تفہیم القرآن کا مطالعہ تمام مسلمانان عالم کے لیے رشد و ہدایت کا عظیم ذریعہ ہے اور بیرونی اسلامی ممالک کے مسلمان اسے پاکستان کی خوش بختی سے تعبیر کرتے ہیں کہ مولانا جیسی اسلامی قدآور شخصیت مملکت پاکستان کو نصیب تھی۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں' جن کے مطالعہ سے پورا عالم اسلام کماحقہ استفادہ کر سکتا ہے۔ مولانا علم فقہ میں ہمہ وقت تحقیق و تدقیق کے قائل تھے اور احیاے اسلام کے لیے اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی کتابوں کے مطالعے سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ پاکستان کے استحکام کو مکمل اسلامی نفاذ میں مضمر سمجھتے تھے۔

مولانا کی تحریروں سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ وہ مسلمانوں کو سادہ زندگی گزارنے اور اسراف اور فضول خرچی سے کلیتاً اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی تحریروں میں اس بات کی واضح نشاندہی کی ہے کہ انصاف معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔ اگر کسی معاشرے میں معاملات انصاف کی کسوٹی پر پرکھے نہیں جاتے تو اس معاشرے کا زندہ رہنا ہر اعتبار سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ کفر کا معاشرہ تو شاید زندہ رہ سکتا ہے' مگر بے انصافی کا معاشرہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مولانا اپنی تحریروں میں متوازن معیشت کی تلقین کرتے ہیں جس میں کہ امیر و غریب کے درمیان معاشی تفاوت کم سے کم ہو۔ اور عوام الناس کو بنیادی ضروریات زیست یعنی لباس' خوراک' سر پر چھت' بنیادی تعلیم اور ابتدائی طبی سہولیات میسر ہوں۔

مولانا مغربی طرز تعلیم اور مشرقی یا اسلامی تعلیمات میں ربط و مفاہمت کے متقاضی ہیں۔ ان کے نظریہ فکر کے مطابق مغربی درس گاہوں میں مناسب اسلامی نصاب مقرر کیا جائے اور دینی مدارس میں

مغربی علوم کا مناسب بندوبست کیا جائے 'کیونکہ اس طرح کے نصاب تعلیم سے پاکستان میں نظریاتی ہم آہنگی اور فکری اور علمی کردار کے پہلو نمایاں ہوں گے۔اگر پاکستان کے صاحبان بست وکشاد اس قسم کا نصاب رائج کریں تو پاکستانی معاشرہ نہ صرف عالم اسلام کے لیے ایک مثال پیش کرے گا بلکہ یہ پوری دنیا کے لیے ایک راہبری ہوگی۔

جماعت اسلامی 'اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے فکری اور علمی کردار پر کاربند رہنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہے۔جماعت اسلامی ایک نہایت ہی منظم جماعت ہے اور باقاعدگی سے جمہوری اصولوں کی پابند ہے۔جماعت کے اندر باقاعدہ انتخابات ہوا کرتے ہیں۔یہ جمہوری روایت شاید ہی پاکستان کی کسی اور سیاسی جماعت میں ہو۔اس کے عہدے دار اور کارکن ' اللہ کے فضل وکرم سے بااصول ' باکردار اور نظریاتی طور پر پختہ کار ہیں۔انھوں نے کبھی اپنے نظریاتی اصولوں سے انحراف نہیں کیا ہے۔ میری اپنی دانست کے مطابق جماعت اسلامی کا مستقبل تابندہ وروشن ہے۔میں خدا کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے عظیم مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے تاکہ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام اور انسانیت کی خدمت کے اہل ثابت ہوں۔آمین !

ملک معراج خالد

ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی 'اسلام آباد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم پاکستان کی ان چند اہم شخصیات میں سے ہیں جن کا سیاسی اقتدار میں کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔وہ جس جماعت کے بانی اور امیر تھے ' اسے بھی انتخابات میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا مودودی اپنی زندگی کی آخری سانس تک ملک کی قومی زندگی کی ایک بڑی موثر قوت تھے۔ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی کو سراہنے والوں کی تعداد کل کی طرح آج بھی اچھی خاصی ہے۔اسی طرح اس کے شدید مخالفین کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔لیکن جس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مولانا مودودی کی جماعت سیاسی زندگی کے متعدد اتار چڑھاؤ کے باوجود ملک کی ایک اہم سیاسی قوت ہے جسے نہ کل نظرانداز کیا جاسکتا تھا اور نہ آج ہی نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔

مولانا مودودی کی اس قوت کا راز کیا ہے؟ حکومتی اقتدار نہ ہوتے ہوئے بھی ایسا کیوں ہوا کہ مولانا مودودی برسا برس تک ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ پر حکمرانی کر سکے؟ میرے نزدیک مولانا مودودی کی اس قوت کا راز ہمیں ان کے علم کی وسعت وگہرائی ' اسلام کی حقانیت کی علمبرداری ' ان کی فکر کی توانائی اور ان کی اظہار خیال کی غیر معمولی پاکیزگی اور صلاحیت میں تلاش کرنا

چاہیے۔

مجھے زندگی کا وہ ابتدائی دور اچھی طرح یاد ہے جب اپنی نسل کے دوسرے نوجوانوں کی طرح میں تلاش حق کے لیے سرگرداں تھا اور اس وقت کے مروجہ افکار و نظریات میں انسانیت کے لیے راہ نجات تلاش کر رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ کی طرح برصغیر کے تعلیم یافتہ نوجوان کمیونسٹ نظریات کی چمک دمک سے متاثر ہو رہے تھے اور خود میں نے بھی کمیونزم کا خاصا وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ اس دور کی سرگشتگی میں اقبال کی شاعری اور ان کی تحریروں کے طفیل مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا جسے خود اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اقبال ہی کے طفیل مجھ پر اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ آب حیات کی تلاش میں مجھے سرگرداں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس کا سرچشمہ خود قرآن پاک ہے اور نبی آخر الزماں ؐ کا وہ اسوۂ حسنہ ہے جو مکمل دین ہے۔

زندگی کے اس اہم فکری موڑ پر اقبال کے بعد جس شخصیت سے مجھے سہارا ملا اور جس سے راہ حق کی دریافت میں مدد ملی وہ مولانا مودودی تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ان کا پہلا مضمون جزیرے میں نے پڑھا جو کہ جہاد کے موضوع پر تھا اور غالباً دہلی کے کسی رسالہ میں شائع ہوا تھا --- دلائل کی قوت، اسلوب نگارش کا حسن اور زور اور اسلام کے بارے میں ایک غیر معمولی پر اعتماد لہجہ ---- ان سب چیزوں نے مجھے چونکا دیا اور اس کے بعد میں مولانا مودودی کی تحریروں کو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھنے لگا۔ اقبال کے ذریعے زندگی کا جو رخ بنا تھا، مولانا کی نگارشات نے اس رخ پر آگے بڑھنے میں میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی۔

قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودی نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو ان سے ملنے جلنے کے متعدد مواقع پیدا ہوئے اور مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ بھی ملا۔ مولانا مودودی سے اور ان کے افکار و نظریات سے آدمی کو ہزار اختلاف ہو، لیکن ان کو قریب سے دیکھنے والا شاید کوئی بھی ایسا شخص نہ ہو گا جو ان کے غیر معمولی اخلاص، ان کی بے لوثی اور اپنے مقصد و نظریات سے ان کے شدید عشق سے متاثر نہ ہوا ہو۔ مرور وقت کے ساتھ مجھے ان کی شخصیت کے متعدد دوسرے دلآویز پہلوؤں کو قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا اور میں ان کی شرافت و شائستگی، اصول پسندی اور ایمانداری، معاملہ فہمی اور میانہ روی اور ملک و ملت سے ان کے لگاؤ سے بے حد متاثر ہوا۔ سیاسی طور پر میں اس کیمپ میں تھا جسے مولانا مودودی کی جماعت سے شدید اختلاف تھا۔ اس کے باوجود میں نے ان میں جو خوبیاں دیکھیں، ان کی وجہ سے میں ان کا احترام بھی کرتا تھا اور ان کے لیے اپنے دل میں قدر

و قیمت کے جذبات بھی رکھتا تھا۔ سیاسی دھڑے بندی اور سیاسی جماعتوں کے مابین باہمی آویزش اور تلخی کی فضا کے باوجود میں نے ان سے کبھی کوئی فاصلہ محسوس نہیں کیا اور ملک و ملت کے مجموعی مفاد میں جب کسی تجویز کو مناسب خیال کیا، اسے بلا کسی جھجک مولانا کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ بات میرے لیے بڑی طمانیت کا موجب تھی کہ مولانا کے انداز اور رویے سے یہ بات پوری طرح عیاں تھی کہ وہ مجھ پر اعتماد بھی فرماتے تھے اور انس بھی رکھتے تھے۔

مولانا مودودی مرحوم نے سیاست میں بھرپور حصہ لیا، لہٰذا بہت سے لوگ ان کو بنیادی طور پر ایک سیاسی لیڈر اور ملک کی ایک سیاسی جماعت کے بانی اور قائد کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن مولانا کی اصل حیثیت اور اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک اسکالر اور مفکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی کے اثرات پاکستان تک محدود نہیں بلکہ ان کی فکر سے متاثر ہونے والے دنیا کے تقریباً ہر خطے میں موجود ہیں۔ بہ حیثیت ایک اسکالر اور مفکر، مولانا کی ایک امتیازی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی بات دلائل سے منواتے تھے نہ کہ فکری استبداد سے۔

ایک اسکالر اور مفکر کی حیثیت سے مولانا مودودی نے اپنی تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی فکر کے متعدد پہلوؤں نے مجھے بہت متاثر کیا، خاص طور پر اس بات نے کہ وہ جس خدا پرستی کے قائل تھے، اس کا تقاضا ہے کہ آدمی پوری نوع انسانی کی اخوت کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کرے، اللہ کی مخلوق کو اس کا کنبہ سمجھے اور اس کے لیے ہر قسم کے خیر اور فلاح کا طالب ہو، اور انسانی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرے۔ ان کے تصور اسلام کا یہ پہلو بھی میرے لیے دل آویز ہے کہ اسلام کا انسان سے بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرے اور ان کا وفادار بن کر رہے۔ لیکن اسلام کا انسان سے یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی خاص شخص/گروہ یا مکتب فکر کا اندھا مقلد بن جائے۔ میرے دل میں مولانا کے اس رجحان کی بھی بڑی قدر ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی تعلیمات کی صحیح تعبیر کے لیے روشن اور غیر متعصب ذہن، بیدار مغز اور دل کی بڑی وسعت کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودی نابغہ روزگار تھے۔ وہ اسلام کی ازلی اور ابدی سچائیوں کے مطابق ایک ایسا نظام انسانیت قائم/برپا کرنے کے داعی تھے جو تمام بنی نوع انسان کو ہر نوع کی غلامی، محتاجی، دست نگری اور تذلیل و تحقیر سے نجات دلانے کا علمبردار ہو۔ انھوں نے احترام آدمیت کی لافانی قدروں کی تبلیغ اور سربلندی کے لیے تاریخ ساز جہاد کیا لیکن میری حقیر رائے میں قومی اور عالمی سطح پر انسان کو خوف اور ذہن کے عذاب میں مبتلا رکھنے والی قوتوں کے خلاف محروم اور مقہور طبقات کو منظم کرنے کے وہ عوامی طریقے بروئے کار نہ لا سکے جن کی بدولت ہی مظلوم اور محروم اکثریت کو ایک عظیم انقلابی قوت میں تبدیل کرنا ممکن اور لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح یا غلط، جماعت اسلامی کے بارے میں مراعات یافتہ طبقوں کی حامی جماعت ہونے کی بدگمانی

نہ